تقلید کیا؟ اور کیوں؟

مرتب

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ وجانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خطیب مسجد عالمگیری، شانتی نگر، حیدرآباد

زیر اہتمام

محترم جناب مولانا حافظ محمد ودود الرحمٰن مقصود صاحب رشیدی زیدت الطافہم

فرزند حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

تفصیلات کتاب

نام کتاب	......	تقلید کیا؟ اور کیوں؟
مرتب	......	شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی خطیب مسجد عالمگیری شانتی نگر حیدر آباد
صفحات	......	۱۶
سنہ اشاعت	......	۱۴۲۶ھ ۲۰۰۵ء
تعداد	......	ایک ہزار
کتابت	......	رضی الدین سہیل
طباعت	......	عائش آفسیٹ پرنٹرس متصل مسجد رضیہ روبرو فائر اسٹیشن جدید ملک پیٹ، حیدر آباد فون: 24513095، موبائل 9391110835
قیمت	......	پانچ روپے -/5 روپے

زیر اہتمام

محترم جناب مولانا حافظ محمد ودود الرحمٰن مقصود صاحب رشیدی زیدت الطافہم
فرزند حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۵	آغاز سخن	۱
۷	تقلید کیا اور کیوں؟ ﴿مثال (۱)، مثال (۲)، مثال (۳)﴾	۲
۸	اجتہاد کی نظیر	۳
۹	تقلید کے لفظی معنی و عرفی مفہوم	۴
۱۰	تقلید کی قسمیں	۵
۱۱	ضرورت تقلید	۶
۱۲	ایک سوال	۷
۱۲	تقلید کا سادہ مطلب	۸
۱۳	یہ تینوں صورتیں	۹
۱۴	تقلید اور اس کا لزوم	۱۰
۱۵	ایک شبہ	۱۱
۱۵	تقلید شخصی	۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

محترم قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جو کچھ ذیل میں تحریر ہے وہ صرف با اعتماد اکابر و اساتذۂ دین ونعمت ماہرین قرآن و سنت کی تحریرات کے اقتباسات ہیں۔ ان چیزوں کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے دیہات سے لے کر شہروں تک بلکہ تمام ہی دنیا میں تقلید وعدم تقلید کے مسائل سر اُٹھائے ہوئے ہیں، مجھ میں اتنی سکت بالکل نہیں کہ راست افہام وتفہیم اور تعبیرات وتفہیمات کے ذریعہ ان امور میں کوئی مضمون وموضوع قلم بند کرسکوں، صرف عمومی اور شدید ضرورت کے پیش نظر حضرت حکیم الامت ؒ اور فقیہ الامت مولانا مفتی شفیع صاحب ؒ اور اسباق مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ؒ اور دیگر اکابر کی کتابوں کے خطبات اور تحریرات سے چند اقتباسات اس ترتیب و کتابچہ میں پیش خدمت ہیں اور مفہوم ان حضرات کے منشاء کے مطابق ہے تو یہ انہی سے منسوب ہوگا اور کوئی خامی یا کوتاہی پائی گئی تو وہ ناچیز کی کوتاہی متصور ہوگی۔

آپ حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ تمام امور میں اصل حکم اللہ کا ہے اور اس کے حکم کی پیروی ہر ایک پر واجب ہے، اور حق تعالیٰ کے پیغمبروں کے احکام جو واجب التسلیم ہیں وہ اسی بناء پر ہیں کہ وہ ان احکام کے مبلغ اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہیں اس لئے ان کا حکم اللہ ہی کا حکم اور ان کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت حق کی اطاعت ہے اسی طرح ائمہ فقہاء اور مجتہدین کی اطاعت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اس کو فقہ کی زبان میں تقلید کہتے ہیں۔

نہ جاننے والوں سے پوچھ کر احکام الٰہی پر عمل کرنا اس کے سبھی قائل ہیں اور انصاف پسند اہلحدیث بھی مطلق تقلید پر وجوب کے قائل ہیں۔

اختلاف اس میں ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے، دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل نہ کیا جائے، اُسی امام معین کی تقلید کی پابندی کو تقلید شخصی کہا جاتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو اس کا درجہ کیا ہے۔

تمام اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ اتباع ہویٰ احکام دینیہ میں قطعاً حرام ہے۔

جو شخص اپنی غرض اور خواہشات کو سامنے رکھ کر اس کی پیروی کرتا ہے اور پھر قرآن و حدیث میں اس کے دلائل ڈھونڈتا ہے وہ متبع ہویٰ ہے متبع قرآن نہیں۔

دوسری طرف تجربات اور مشاہدات بتلاتے ہیں کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جائے، ائمہ اربعہ میں سے جس کے مذہب پر چاہیں عمل کریں، جب چاہیں جن مسائل میں جس کسی کا بھی قول لیں اور جس کے اقوال کو چاہیں اپنائیں اس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے حرام و ناجائز قرار دیا ہے، اسی شرعی مصلحت کی بناء پر عافیت اور سلامتی اس میں دیکھی گئی کہ امام واحد کا اتباع مسائل میں لازم قرار دیا جائے۔ اسی لئے تقلید شخصی واجب قرار دی گئی۔ اسی کی کچھ تفصیلات اگلے صفحات میں پیش ہیں۔

فقط

جامع الحروف

شاہ محمد کمال الرحمٰن قاسمی

خطیب مسجد عالمگیری، شانتی نگر، حیدرآباد

تقلید کیا؟ اور کیوں؟

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ قرآن کتاب الٰہی ہے جس میں اللہ رب العزت کا خالص علم ہے، لیکن ساتھ میں یہ بات بھی جاننی لازم ہے کہ اس میں بنیادی امور و ضوابط بتائے گئے ہیں اس میں بہت سے احکام کی تفصیلات اور فروع نہیں بتائی گئیں، بلکہ ان کی تفصیلات اقوال نبی ﷺ اور افعالِ نبی ﷺ اور تقریرات نبی ﷺ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قیاسات واجتہادات سے معلوم ہوتی ہیں۔

مثال ﴿۱﴾

قرآن میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے مگر کتنی رکعت ہوں ترتیب کیا ہو رکوع، سجود، قومہ اور قعود میں کیا پڑھا جائے؟ ارکان نماز کی ادائیگی کی ترکیب کس طرح ہو؟ قرأت جہری و سری کن نمازوں میں ہو؟ ختم سورۃ کب ہو اور کب نہ ہو؟ وغیرہ اس طرح کی تمام چیزوں کی صراحت قرآن میں نہیں۔

مثال ﴿۲﴾

غور کیجئے کہ قرآن میں زکوۃ دینے کا حکم ہے لیکن زکوۃ کس پر ہے؟ کتنے مال پر ہے؟ اس کا حساب و نصاب کیا ہے؟ اس کی تفصیلات کیا ہیں، ظاہر ہے کہ اس طرح کی جزئیات و توضیحات قرآن میں واضح نہیں۔

مثال ﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حج کا حکم دیا ہے، لیکن کن ایام میں؟ کس خاص ماہ میں؟ کس طرح سے؟ مناسک حج کیا ہیں؟ عرفات، منیٰ، مزدلفہ کب جائیں، کیا کریں، رمی جمار کس

طرح ہو؟ احرام کس طرح باندھیں، طواف کیسے ہو اور دیگر چھوٹی موٹی جزئیات جو ضرورت حج سے متعلق ہیں۔ خوب معلوم ہے کہ ان چیزوں کی صراحت قرآن میں موجود نہیں ہے، ان تمام چیزوں میں حضور ﷺ کی احادیث ہی سے روشنی ملے گی، اس لئے قرآن کو حدیث سے بے نیاز ہو کر سمجھنے کی کوشش محض گمراہی ہے، یہاں تک کہ قرآن و حدیث دونوں دلائل شرعیہ کی اصل ہیں، اس کے بعد دو چیزیں اور حجت شرعیہ کہلاتی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ کی توضیحات وتشریحات، جزئیات وتفصیلات قرآن و حدیث میں صاف نہ ملیں تو اس کا حکم نظائر و دلائل پر غور کر کے نکالنا، اجتہاد و قیاس ہے اس پر علماء مجتہدین کا اتفاق ہو جائے تو وہ اجماع کہلاتا ہے۔

اجتہاد کی نظیر

روایت میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ کے ذمہ حج ہے، میں اس کو اپنی طرف سے ادا کردوں تو ادا ہو جائے گا؟۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر اس کے ذمہ قرض ہوا گر تم ادا کر دو تو ادا ہو جائے گا؟۔ اس نے کہا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا بطور اولیٰ ادا ہو جائے گا، اسی کو شریعت میں قیاس، اجتہاد، استنباط اور اعتبار کہتے ہیں۔ اجتہاد و قیاس کے ثبوت کیلئے حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت بہت کافی ہو جاتی ہے جس میں حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا اور بہت سی ہدایات دیں، اس موقع پر آپ نے پوچھا کہ اے معاذؓ تم کس قانون کے ماتحت فیصلے کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا قرآن کے ماتحت، ارشاد فرمایا کہ اگر اس میں تم کو نہ ملے؟ تو انہوں نے عرض کیا سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کیا اجتہاد کروں گا، اس پر مسرت کا اظہار کر کے پوری تائید فرمائی اور اس انتخاب پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

قرآن وسنت کی اصولی روشنی میں کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کی کوشش اجتہاد ہے، اور ایک متفقہ مسئلہ کی بنیاد پر دوسرے مسئلہ کی تدوین کا طریقہ قیاس ہے، اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اجماع وہی اجماع جو علماء، مجتہدین امت کا ہو۔ عامۃ المسلمین اگر کسی بات پر اتفاق کرلیں تو اسے اجماع نہیں کہا جائے گا۔ قیاس و اجتہاد کی ضرورت اور عدم ضرورت اور

موقع ومحل کا اندازہ مسائل کی حسب ذیل صورتوں سے لگائیے۔ مسائل کی دو صورتیں ہیں، ایک وہ مسائل ہیں جن کا تذکرہ نص میں موجود ہے، دوسرے وہ ہیں جن کا تذکرہ نص میں موجود نہیں، پہلی قسم کی پھر دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ نص ایک ہی طرح کی ہے۔ جس سے ایک ہی طرح کا مثبت یا منفی حکم صاف صاف معلوم ہوتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ نص دو طرح کی ہے کسی سے مثبت حکم معلوم ہوتا ہے کسی سے منفی۔ مثلاً کسی سے آمین بالجہر معلوم ہوتا ہے اور کسی سے آمین بالسّر، کسی سے رفع یدین کسی سے ترک رفع یدین وغیرہ۔ پھر ایسے مسائل میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قرائن و دلائل سے نص کا مقدم و موخر ہونا معلوم ہو، دوسرے یہ کہ یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کونسی نص مقدم ہے اور کونسی نص موخر، اس طرح مسائل کی بہت سی قسمیں اور صورتیں ہیں جن کا قرآن وسنت کی روشنی اور اصول فقہ اور ادلۂ اربعہ کی روشنی میں حل ضروری ہے۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ مجتہد مسائل کو نظائر پر قیاس کر کے دلالۃ النص یا اشارۃ النص سے استنباط کر کے صرف ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ثابت تو پہلے ہی سے ہے۔ البتہ مخفی تھا، مجتہد نے اسے ظاہر کر دیا، دوسری اہم چیز جو اس ضمن میں یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ قیاس اور اجتہاد ہر کہ وہ مہہ کا کام نہیں، جس کیلئے فقہائے امت نے بے شمار شرائط و ضروریات و لوازمات ذکر کئے ہیں جن کا فی زمانہ فقدان ہے، علماء بیان کرتے ہیں کہ جس کا اجتہاد شرعاً معتبر ہو وہی اجتہاد کا حق رکھتا ہے اور جس کا معتبر نہیں، اس کو تقلید کے سوا چارہ نہیں۔

تقلید کے لفظی معنیٰ

اس کے لفظی معنیٰ کسی کی غلامی کا پٹہ پہن لینے کے ہیں۔

تقلید کا عرفی مفہوم

چونکہ عام آدمی کیلئے یہ بات بالکل موزوں نہیں کہ وہ قرآن وحدیث کی مختلف التعبیر اور مجمل و مبہم آیات و امور میں اپنے فہم و ادراک پر اعتماد کر کے اس کا مفہوم مشخص کرے۔ کیوں؟۔ اس لئے کہ نہ تو وہ آیت قرآنی کے سیاق وسباق سے واقف ہوتا ہے، نہ اس کے تعمیم و تخصیص سے آشنا ہوتا ہے، نہ اس کا مقتضاء پیش نظر ہوتا ہے، نہ توضیح و تشریح پر دلالت کرنے

والی آیات واحادیث پر دسترس ہوتی ہے، حتی کہ آیت کے ترجمہ واجمالی مطلب وتفسیر تک سے ناواقفیت ہوتی ہے۔

لٰہذا لامحالہ ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ قرآن وحدیث کے ماہرین سلف صالحین، مفسرین ومحققین کے قول پر اعتماد کریں اور اسی اعتماد پر ان کی بات مانیں اور عمل کریں یہ تقلید کا مفہوم ہے اور تقلید سے عموماً یہی عرفی مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔

تقلید کی قسمیں

تقلید دو طرح کی ہوتی ہے، ایک تقلید اطلاقی، دوسرے تقلید شخصی۔

تقلید اطلاقی کے نمونے دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ملتے ہیں، مگر بعد کے فہیم وفریس بالغ نظر، نباض فقہاء امت نے تقلید اطلاقی کو مسدود کر دیا۔

دوسری قسم تقلید شخصی کی ہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ ایک امام مجتہد کو معین کرنے کے بعد اس کی فہم وبصیرت پر اعتماد کر کے اس کے مسلک کو اختیار کر لے اور عمل میں لائے۔ قرن اول میں اس کی مثالیں موجود ہیں اور اس کی ضرورت واہمیت وجوب کی حد تک مسلم ہے ورنہ زبردست گمراہی، تن آسانی، اور نفس پرستی کا خطرہ تھا۔

اعتراض ۱

سرسری نظر رکھنے والے کو اس موقع پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ کیا پھر اپنے آباواجداد کی تقلید کرنی چاہئے جب کہ قرآن نے اس تقلید کی مذمت کی ہے۔

جواب:- جن آیات سے تقلید کی مذمت بیان کی جاتی ہے ان کے مطالعہ اور توضیحات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی تقلید سے روکا گیا ہے جو ہدایت سے کورے تھے، اور ان آباواجداد کی تقلید سے روکا گیا جو دانستہ یا نادانستہ طور پر احکام الٰہی کو رد کر دیتے ہیں اور ان لوگوں کی تقلید سے روکا گیا جو راہِ ہدایت پر چلنے اور سمجھنے سے قاصر رہے اور رہے وہ لوگ جو رجال ماہرین ائمہ مجتہدین، عامل بالکتاب والسنۃ ہیں اور حق وباطل کی تمیز کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ نہ صرف ان کی اقتداء کی جائے گی بلکہ

عوام انہیں شارح کتاب وسنت اور صاحب استنباط سمجھ کر ان کی تقلید کو واجب سمجھیں گے، ایسے افراد کی تقلید کے جواز پر علماء امت کا اجماع ہے۔

اعتراض ﴿۲﴾

قرآن کتاب مبین ہے اور یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ صراحۃً مذکور ہے تو پھر کسی حکم اور امر کے سمجھنے کیلئے کسی واسطہ کی حاجت وضرورت کیوں محسوس کی جائے۔

جواب:- یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ جو منصوص ہے وہ آسانیاں وعظ ونصیحت، واقعات وعبرت اور واضح اوامر وغیرہ کے باب میں ہیں۔

باقی وہ مسائل اور امور جو مبہم ہیں، مجمل ہیں، ذو معنی ہیں، متشابہات ہیں، محتمل الامر ہیں، تشخص معنی مشکل ہیں، اوامر ونواہی کی تفصیلات وجزئیات وغیرہ ہیں تو وہاں ایسے شخص کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ تقلید مجتہد کو اپنے لئے نعمت سمجھے اور واجب التعمیل جانے۔

اس لئے علماء امت اب اس بات پر متفق ہیں کہ تقلید مجتہد واجب ہے اور وہ بھی چاروں میں منحصر ہے اور ان میں بھی کسی ایک کو اختیار کر کے عمل پیرا ہو اور بس یہی اعتدال کی راہ اور باعث رحمت وسعادت ہے۔

ضرورتِ تقلید

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو۔ اگرچہ یہ آیت کریمہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آئی ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوبِ کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں۔ اسی کا نام تقلید ہے اور یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ امت میں عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا ہے جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے، حتیٰ کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں۔

ایک سوال

تقلید کے معنی پوچھ لینا تو نہیں بلکہ بے دلیل مان لینا ہیں۔ غیر مقلد اپنے وقت کے دیانت دار علماء سے مع دلیل دریافت کر کے عمل کرتے ہیں پھر تقلید کس طرح ہوئی؟

جواب:- ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے انہیں خود دلائل سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ وہ تقلید ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ جن آیات قرآنی اور روایات حدیث میں بظاہر کوئی تعارض نظر آتا ہے یا جن میں صحابہؓ وتابعین کے درمیان قرآن وسنت کے معنی معین کرنے میں اختلاف پیش آیا ہے، یہ مسائل واحکام محل اجتہاد ہوتے ہیں۔ ان کو اصطلاح میں مجتہد فیہ مسائل کہا جاتا ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ جس عالم کو درجہ اجتہاد حاصل نہیں، اس کو بھی ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید ضروری ہے۔

تقلید کا سادہ مطلب

جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کرے اسی کا نام تقلید ہے۔

اہل حدیث کی جماعت میں جو علماء کرام ہیں وہ عوام اہلحدیثوں کو اپنی تقلید کراتے ہیں اور عوام الناس ان مولویوں کی تقلید کی وجہ سے بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں اور دوسرے مسلک والوں سے الجھتے رہتے ہیں۔

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کئے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے سے پیروی کریں گے جس پر ہم نے باپ دادا کو پایا ہے، اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر

بھی یہ ان ہی کی پیروی کئے چلے جائیں گے۔ اس آیت سے جس طرح باپ دادا کی اندھی تقلید اور اتباع کی مذمت ثابت ہوئی ہے اسی طرح جائز تقلید اور اتباع کی مدحت ثابت ہوئی اور ایک ضابطہ معلوم ہو گیا کہ جس کی طرف دو لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے، ایک لَا یَعْقِلُوْنَ دوسرے لَا یَهْتَدُوْنَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباؤ اجداد کی تقلید اور اتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انہیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ کی طرف سے شرعی طور پر نازل کئے گئے اور عقل سے مراد وہ جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے۔ اس آیت میں تقلید آباء کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے۔ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں۔

اسی طرح بارھویں پارہ میں پانچویں رکوع میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باپ دادا کی تقلید باطل میں حرام اور حق میں جائز ہے۔ حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصولوں میں سے ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی طاقت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ سے تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔

یہ تینوں صورتیں

سب سے پہلا درجہ عوام کی تقلید کا ہے، عوام سے ہماری مراد تین قسم کے لوگ ہیں۔

﴿۱﴾...... ایک تو وہ جو عربی اسلامی علوم سے بالکل واقف نہیں، خواہ کسی دوسرے فن میں وہ کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں۔

﴿۲﴾...... دوسرے وہ لوگ جو عربی زبان سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن اسلامی علوم کو انہوں نے باقاعدہ نہیں پڑھا۔

﴿۳﴾...... تیسرے وہ لوگ ہیں جو رسمی طور پر فارغ التحصیل ہیں لیکن اسلامی علوم میں بصیرت اور تبحر اور مہارت ان کو حاصل نہیں۔

ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ ان پر ہر حال میں تقلید ہی واجب ہے، اور اپنے امام یا مفتی کے قول سے خروج جائز نہیں، خواہ اس کا کوئی قول بظاہر حدیث کے خلاف ہی معلوم ہوتا ہو۔

صاحبین فی الفقہ یعنی حضرت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ یہ دونوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔ اور صاحب سلسلہ مشہور بزرگ فضیل بن عیاضؒ فقہ و حدیث میں امام اعظمؒ کے شاگرد تھے۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہم بلخیؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ صاحب کشف المحجوب داتا گنج بخش حضرت شیخ علی مخدوم ہجویریؒ حنفی تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت خواجہ باقی باللہؒ، خواجہ عبدالباقی نقشبندیؒ کے مرید تھے، حنفی تھے۔ مفسر ابن کثیرؒ اور امام غزالیؒ شافعی تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ اسی طرح ہزاروں اولیاء لاکھوں علماء، اور کروڑوں مسلمان تقلید ہی کے دائرہ میں رہے ہیں اور ہیں۔ اگر تقلید غلط ہوتی تو یہ حضرات کبھی تقلید نہ کرتے۔ اگر تقلید درست نہ ہوتی تو ان جیسے حضرات کبھی اس کو قبول نہ کرتے۔

تقلید اور اس کا لزوم

ائمہ اور مجتہدین کی تقلید کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب :۔ اس لئے کہ قرآن و سنت میں جو احکام مذکور نہیں، ان کو قرآن و سنت سے بیان کردہ اصول سے نکالنا اور ان کا شرعی حکم متعین کرنا یہ بھی ان ہی مجتہدین امت کا کام ہے جن کو عربی زبان، عربی لغت و محاورات، طریق استعمال، نیز قرآن و سنت سے متعلقہ تمام علوم کا معیار علم اور تقویٰ کا اونچا مقام حاصل ہو جیسے امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ یا اوزاعیؒ فقیہہ ابواللیثؒ وغیرہ جن میں حق تعالیٰ نے قرب زمانہ نبوت ﷺ اور صحبت صحابہؓ اور تابعینؒ کی برکت سے شریعت کے اصول و مقاصد سمجھ لینے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کرکے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین

میں سے کسی کی تقلید لازم ہے۔ ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے قائم کرنا خطاء ہے، یہی وجہ ہے کہ امت کے کروڑوں علماء، لاکھوں محدثین اور سینکڑوں فقاء او رہزاروں اولیاء، غزالیؒ، رازیؒ، طحاویؒ، اسی معیار کے لاکھوں سلف وخلف عربیت و علوم شریعت کی اعلیٰ مہارت کے باوجود ہمیشہ ائمہ مجتہدین ہی کی تقلید کے پابند رہے اوران کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا۔

ایک شبہ

○...... مذکورہ بالا علماء ومحدثین اور دیگر اکابر محققین کسی امام معین کی تقلید نہیں کرتے تھے پھر تقلید شخصی کوضروری کیوں قرار دیا جاتا ہے؟

جواب شبہ: ان حضرات کوعلم وتقویٰ کا معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے تھے اور پرکھتے تھے۔ پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کوقرآن وسنت سے اقرب پاتے اختیار کرلیتے تھے، مگران کے مسلک سے خروج اوران کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے،تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

جس طرح بیمار آدمی حکیم وڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کواپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھتا ہے، بلاضرورت بے شمار ڈاکٹروں کی دواؤں سے اپنے کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا، وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کیلئے کرتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں ہیں، حنفیہؒ، شافعیہؒ، مالکیہؒ، اور حنابلہؒ کی تقسیم جوامت میں ہوئی، اسی کی حقیقت اس سے زیادہ نہ تھی، اس میں فرقہ بندی، گروہ بندی کا رنگ باہمی جدال وشقاق کی گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے اورنہ کبھی اہل بصیرت نے اسے اچھا سمجھا ہے۔

تقلید شخصی

اس کے بعد یہ صورت حال پیش آئی کہ علم کا معیار گھٹتا گیا، تقویٰ، خدا ترسی کے

بجائے اغراض نفسانی غالب آنے لگیں۔ایسی حالت میں اگر یہ آزادی دے دی جائے کہ جس امام کی بات چاہیں قبول کریں اور اپنی پسند سے جس کی رائے چاہیں پسند کریں یا رد کر دیں تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اتباع ہوئی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ایسی صورت میں یہ شریعت کا نہیں بلکہ اپنی اغراض و ہوئی کا اتباع ہوگا جو حرام ہے۔

اسی لئے متاخرین فقہاء نے یہ ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام مجتہد کی تقلید کا پابند کرنا چاہئے ،یہیں سے تقلید شخصی کا آغاز ہوا، جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے جس سے دین کا انتظام قائم رہے اور لوگ دین کی آڑ میں اتباع ھوئی کا شکار نہ ہو جائیں۔

سوال:-حق کئی صورتوں میں ہو لیکن ایک ہی صورت اختیار کرنے کی پابندی؟ مثال دور صحابہؓ؟

جواب:-اس کی مثال بعینہ وہ ہے جو حضرت عثمانؓ نے بہ اجماع صحابہؓ قرآن کے سبعۃ احرف یعنی سات لغات میں سے صرف ایک لغت کو مخصوص کر دینے میں کیا۔اگر چہ کہ ساتوں لغات قرآن ہی کے لغات تھے۔جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئے مگر جب قرآن کریم عجم میں پھیلا اور مختلف لغات پڑھنے سے تحریف قرآن کا خطرہ محسوس کیا تو بہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت میں قرآن کریم لکھا اور پڑھا جائے۔حضرت عثمانؓ نے اس ایک لغت کے مطابق تمام مصاحف لکھوا کر تمام اطراف میں بھجوائے اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے۔اس کے معنی یہ نہیں کہ دوسرے لغات حق نہیں تھے بلکہ انتظام دین، حفاظت قرآن اور تحریف کے اندیشے کی بناء پر صرف ایک لغت کو اختیار کیا گیا۔اس طرح ائمہ مجتہدین سب حق ہیں۔مگر تقلید میں ایک معین امام کی پیروی ہوگی۔